تعارف

دورِ حاضر میں مشرقِ وسطیٰ کے داخلی اور خارجی امور میں امریکہ کا اثر و رسوخ اور کردار خاص اہمیت کا حامل ہے جسے خطے میں ہونے والی امن کی کوششوں اور جنگ کے محرکات میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ خطے سے متعلق امریکہ کے تزویراتی مقاصد کو یوں ترتیب دیا جاسکتا ہے: خطے میں موجود توانائی کے ذخائر اور تیل اور گیس کی ترسیل کی گزرگاہوں پر حقیقی یا معنوی دسترس؛ اسرائیل کی ایک یہودی ریاست کی حیثیت سے حفاظت اور توسیع؛ اور امریکی مفادات اور مقاصد کے لیے خطرہ بننے والی قوتوں کی راہ میں مزاحمت اور رکاوٹ پیدا کرنا۔ فلسطین کے قضیہ میں تو امریکہ براہِ راست کردار ادا کرتا ہے لیکن دوسرے امور میں بھی امریکی اثر و رسوخ، جابجا مداخلت، براہِ راست عسکری امداد اور علاقائی جھگڑوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ عمل دخل ایسے عوامل ہیں جو مشرقِ وسطیٰ کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے نہایت اہم ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعہ نے بلا شک و شبہ دنیا کی ارضی اور تزویراتی سیاست کی حقیقتوں کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں امریکی عسکری طاقت کا کوڑا پہلے افغانستان اور اس کے بعد عراق پر برسا اور علاقائی تنازعات کی انفرادیت کے نظریہ کو زمین بوس کر دیا۔ اس نئے عالمی نظام (یا بدنظمی) کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ فلسطین میں پیدا ہونے والے حالات، صومالیہ میں اٹھنے والی اسلامی عدالتی تحریک (اسلامی کورٹس موومنٹ)، ایران میں انقلاب پسندوں کی حکومت، وسط ایشیائی ریاستوں میں نظریاتی بنیاد پر اٹھنے والی تحریکات اور پاک-افغان یا سعودی-یمن بارڈر پر عسکریت پسندوں کا دوبارہ سر اٹھانا نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ ان سب کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں 'عالمی دہشت گردی' اور نہ ختم ہونے والی 'دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ' سے بھی ٹھہرا۔ عالمگیریت کے اس نئے نظریہ نے پالیسی سازوں اور تجزیہ نگاروں سے لے کر رائے عامہ تخلیق کرنے والوں اور عوام الناس تک کے لیے داخلی، مقامی یا علاقائی سطح پر پیدا ہونے والی صورت حال کو ان کی بظاہر نظر آنے والی حدود سے باہر نکل کر دیکھنے، تجزیہ کرنے

اور سمجھنے کو ناگزیر بنادیا ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا میدان اصلاً مسلم دنیا میں چنا گیا اور اس میں عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کو مرکز بناتے ہوئے وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور شمالی افریقہ کو جنگ کی بربادیوں اور ہولناک تباہیوں کی لپیٹ میں لیا گیا ہے، ایسے میں مشرقِ وسطیٰ کے حالات و واقعات کو گہرائی میں سمجھنا شاید کبھی اتنا ضروری محسوس نہیں ہوتا تھا جتنا کہ آج اس کی اہمیت ہے۔ اس منظرنامے میں 'آزادی' کے نام پر اقدامی حملوں (Preemptive Strike) کے حق کا دعویٰ 'انصاف' قائم کرنے کے نام پر صرف شبہ کی بنیاد پر ماورائے عدالت اغوا، قید، تشدد اور قتل جیسے اقدامات؛ اور جمہوری طریقے سے منتخب ہونے والے* 'دہشت گرد تنظیموں' کے رہنماؤں اور کارکنوں کو 'جمہوریت' پھیلانے کے لیے 'غیر جمہوری طریقوں' سے روکنا گویا کہ دعوت دیتا ہے کہ الفاظ کی دوہری معنویت کو خالصتاً تزویراتی، سیاسی، اقتصادی و معاشی اور سامراجی نظام کی روشنی میں سمجھا جائے۔

درحقیقت دنیا میں پیش آنے والے مختلف واقعات کو ایک دوسرے سے جوڑ کر عالمی سیاست کا خاکہ بنانا اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ عالمی طاقتوں کی طرف سے اپنائے جانے والے اصول مختلف علاقائی طاقتیں بھی اپنے اپنے دشمنوں کے خلاف خطے میں برجستہ استعمال کر رہی ہیں۔ ۱۱ستمبر کے بعد خصوصاً مشرقِ وسطیٰ میں کئی مواقع پر اسرائیلی فوج نے فلسطین اور لبنان کے شہریوں کے خلاف طاقت کا اندھا استعمال اسی انداز اور شدت کے ساتھ کیا جیسے امریکہ نے اپنے تین ہزار کے لگ بھگ شہریوں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے افغانستان اور عراق میں کیا۔ دہشت گردی کے سدِ باب کے نام پر کی جانے والی ان کارروائیوں میں ۱۰ لاکھ سے زائد معصوم اور بے گناہ بچے، عورتیں اور مرد افغانستان اور عراق میں لقمۂ اجل بن چکے ہیں جبکہ اول الذکر میں ابھی تک خونریز جنگ جاری ہے۔

صدر اوباما کے انتخاب کے بعد کسی حد تک یہ امید پیدا ہوئی تھی کہ تبدیلی کا نعرہ بلند کرنے والے بارک حسین اوباما امریکہ کی طرف سے اپنائی جانے والی تشدد اور جنگ و جدل کی حکمتِ عملی کو روکنے اور امن کے

* یہاں اشارہ فلسطین میں حماس اور لبنان میں حزب اللہ کی جمہوری طور پر منتخب حکومتوں کے ساتھ اسرائیل اور عالمی طاقتوں کی جانب سے اختیار کیے جانے والے طرزِ عمل کی جانب ہے۔

قیام میں موثر کردار ادا کریں گے۔ بعض عالمی تجزیہ نگاروں کا خیال تھا کہ امریکہ اور مسلم دنیا کے تعلقات صدر اوباما کے فلسفۂ عملیت و معقولیت کے باعث نہ صرف بہتر ہوں گے بلکہ مشرق وسطیٰ کے معاملے میں اعتماد اور تعاون کا رشتہ قائم ہوگا جو قضیۂ فلسطین کے حل، عراق میں قیامِ امن، ایران کے ساتھ صلح جویانہ مذاکرات کے آغاز اور ملکوں کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت کے خاتمے کا باعث بنے گا۔ تاہم اوباما کے صدر منتخب ہونے کے فوراً بعد العربیہ ٹی وی کو دیئے گئے انٹرویو اور قاہرہ میں مسلم دنیا سے خطاب سے اب تک دو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود نہ صرف بہت سے مسائل جوں کے توں رہے بلکہ بعض تو مزید گھمبیر نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔

ایسے میں افغانستان سے لے کر فلسطین تک، عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کی صورت حال سے چند نہایت اہم سوال جنم لیتے ہیں مثلاً یہ کہ: امریکہ کے مشرقِ وسطیٰ میں حقیقی مفادات و مقاصد کیا ہیں؟ انہیں حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے کیا پالیسیاں اختیار کیں اور ان پالیسیوں کے خطے میں اور عالمی سطح پر کیا نتائج مرتب ہوئے؟ کیا اوباما انتظامیہ کے دورِ حکومت میں امریکہ کی مشرقِ وسطیٰ پالیسی میں کوئی تبدیلی آنے کے امکانات ہیں؟ کیا چین اور روس مشرقِ وسطیٰ میں امریکی مفادات کے لیے خطرہ ہیں؟ یورپی ممالک مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور ان کا خطے کے مسائل میں کیا کردار ہے؟ مسلم دنیا کے ساتھ معاملات کے نتیجے میں یورپی معاشروں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ اسرائیلی رہنماؤں کی ہمہ وقت جنگ کے لیے تیاری کو سامنے رکھتے ہوئے اسرائیل کی خارجہ اور دفاعی پالیسیوں میں جنگ کی کیا اہمیت ہے؟ اور بدلتی ہوئی علاقائی صورتِ حال مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی پر کیسے اثر انداز ہوگی؟

مغرب اور اسلام کے اس خصوصی شمارہ 'مشرقِ وسطیٰ' میں اسی نوعیت کے سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ شمارہ جن موضوعات کا خصوصی طور پر احاطہ کرتا ہے ان میں: امریکہ کی مشرقِ وسطیٰ پالیسی؛ مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے یورپی نقطۂ نظر؛ یورپ اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور اسرائیلی پالیسیوں میں جنگ کا کردار شامل ہیں۔

اس شمارہ کا پہلا حصہ (مشرقِ وسطیٰ - چند اہم عوامل) خارجہ امور اور عالمی سیاست کے ماہرین سے کیے گئے انٹرویوز پر مبنی ہے جن کا مقصد مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے اہم اور حالیہ پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ

لینا ہے۔اس کے بعد تین مضامین میں مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں امریکی پالیسیوں کا مختلف پہلوؤں سے تاریخی جائزہ لیا گیا ہے نیز موجودہ امریکی انتظامیہ کے اعلانات اور عملی اقدامات کے تضادات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر ولفرائڈ ہوف مین نے تاریخی اعتبار سے مشرقِ وسطیٰ کو یورپ کے تناظر میں دکھانے کی کوشش کی ہے اور آخری مضمون میں اسرائیل کی جنگی نفسیات اور جنگی حکمتِ عملی کے ارتقاء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے معاملات بلاشبہ پیچیدہ اور گھمبیر ہیں اور یہ شمارہ یقیناً تمام مسائل کا احاطہ نہیں کرتا۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مشرقِ وسطیٰ پر پیش کیے گئے تجزیات کی روشنی میں بحث کو مستقبل میں بھی جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور مزید کام کے لیے کمر بستہ ہیں۔

شمارہ میں شامل اکثر مضامین انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے انگریزی جریدے پالیسی پرسپیکٹیوز (جنوری-جون ۲۰۱۰ء) سے اخذ کیے گئے ہیں، چند نئی تحریریں بھی شامل ہیں۔اس موضوع پر زیادہ گہری تحقیقی نظر ڈالنے کے خواہش مند قارئین کتابیات اور مکمل حوالہ جات کے لیے اصل ماخذ سے رجوع کر سکتے ہیں۔

اس شمارہ میں شامل تمام مضامین کے مصنفین یا اظہار خیال کرنے والے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ نیز انگریزی کی تحریروں کو ترجمہ یا تلخیص کے ذریعے اُردو کے قالب میں ڈھالنے، ان کی تسوید و تدوین کرنے، کمپوزنگ اور پروف خوانی وغیرہ کے مراحل سے گزار کر موجودہ شکل میں آپ تک پہنچانے کے لیے مختلف ساتھیوں نے اپنی بھرپور صلاحیت کا اظہار کیا۔ان سب کے لیے بھی ہمارے دل میں احترام، احسان اور تشکر کے جذبات ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ مغرب اور اسلام کا یہ خصوصی شمارہ دورِ حاضر کے مشرقِ وسطیٰ کو درپیش مسائل کے حل کی تلاش کے حوالے سے اہل حل وعقد اور اہلِ علم کو مدد فراہم کرے گا اور خطے کے معاملات پر جاری بحث میں مفید اضافہ ثابت ہوگا۔

(مدیران)